جولیا کرسٹیوا کے تنقیدی افکار

عصمت اللہ

Abstract:

Julia Christiva is a multidimensional scholar whose special intrests are literature,culturist, psycho_critical analyst and a linguist.Infact she is a post structuralist thinker.She presented theory of intertextuality which discuses presence of other texts and cultural signs in a text.No text can be created,read or translated without understanding these texts or signs within text.She lays stress on the understanding of poetry from feministic perspective.Thus she becomes a feminist theorist too.

بیسویں صیہ کی کثیر الجہات شخصیت کی مالک جس نے ادب، ثقافت، تنقیدی نفسیاتی تجزیہ نگاری اور ماہر لسانیات کے طور پر خاصا نام پیدا کیا جولیا کرسٹیوا ہیں۔ان کی اصل شہرت ساختیاتی لسانیات، نفسیاتی تجزیہ نگاری اور Semiotics اور تانیثیت کے حوالے سے ہے۔ادب، ثقافت اور نفسیات اس کے اہم میدان ہیں۔اس نے لسانیاتی مباحث کی تخلیق سطح کو چھوا۔دراصل جولیا کرسٹیوا اپنے پیش رؤں رولاں بارتھ اور دریدا کی طرح ایک پس ساختیاتی مفکر ہے۔

جولیا کرسٹیوا ۱۴ر جون ۱۹۴۱ء میں بلغاریہ میں پیدا ہوئیں۔ان کا باپ ایک چرچ کا اکاؤنٹنٹ تھا۔ابتدائی تعلیم بلغاریہ ہی کے ایک سکول میں حاصل کی جن کی نگرانی Nuns کرتی تھیں۔بلغاریہ کے اسی سکول میں اس کا تعارف میخائل باختن (Mikhail Bakhtin) سے ہوا۔اسی اثنا میں بی۔اے کی تعلیم کے دوران ہی انھیں ایک ریسرچ فیلوشپ ملی جو ان کی زندگی اور خیالات کے لیے بے حد اہم ثابت ہوئی۔دسمبر ۱۹۶۵ء میں وہ فرانس آتی ہیں جہاں انھیں مختلف یونیورسٹیوں میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے مواقع میسر آئے۔کرسٹیوا کی تربیت میں جن لوگوں کی فکر کو

☆ پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، الخیر یونیورسٹی، بھمبر آزاد کشمیر

اہمیت حاصل ہے۔ان میں گولڈمان اور رولاں بارتھ کے نام نمایاں ہیں۔ رولاں بارتھ کے اثرات ان پر ابتدا میں بہت نمایاں رہے۔انھوں نے اپنی تحریروں میں ژاک لاکاں، میول فو کو اور میخائل باختن کے نظریات کو توسیع دی۔ فرانس میں ان دنوں تین اہم رسائل Critic، ٹل قوئل اور لیٹگویج شائع ہوتے تھے۔انھیں رسائل میں کرسٹیوا کے مضامین شائع ہوتے رہے جو اس کی شہرت کا باعث بنے۔۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۲ء تک جولیا کرسٹیوا ''دی ٹل قوئل ایڈیٹو ریل بورڈ'' کی ممبر رہیں۔ان کے مضامین کا پہلو مجموعہ (Semitike) ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۴ء میں ان کا ڈکٹریٹ کا مقالہ (La Text du Ruman and Devolution du Language Poetique) کے عنوان سے شائع ہوا۔۱۹۷۴ء میں انھوں نے چائنہ کا سفر کیا جو ان کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کر گیا۔اسی سفر نے ان سے ایک ایسا نظریاتی وفکری کے ڈسکورس متعارف کروایا جس نے زبان اور تاریخ میں موضوعیت/سبجیکٹویٹی پر زور دیا۔اسی سفر نے ان سے ایک اور کتاب Des chinoises تخلیق کروائی جس میں انھوں نے چینی ثقافتی انقلاب کے پس منظر میں چینی خواتین کے ذہنی وفکری ارتقا کا مبسوط مطالعہ پیش کیا۔

۱۹۷۵ء میں انھوں نے غیر مغربی معاشروں میں شعریات اور لسانیاتی نظریے کے موضوع پر مفصل مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جو بعد میں La Traversee des signes کے نام سے شائع ہوا۔۱۹۷۷ء میں ان کے مضامین کا ایک اور مجموعہ Poly Logue کے نام سے شائع ہوا جس میں لسانیاتی اسلوب اور نظریے علاوہ مغربی فکر اور ثقافت مین نسائیت اور ممتا کے مقام کو زیر بحث لایا گیا۔۱۹۸۰ء میں اس کی توجہ سیاست اور تارکین وطن کی طرف بڑھنے لگی۔۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء میں ان کے دو ناول ''دی سمورے'' اور ''دی اولڈ میں اینڈ دی وولوز'' شائع ہوئے۔

۲۰۰۴ء اور ۲۰۰۶ء میں انھیں ایوارڈ ملے۔

کرسٹیوا نے ٹل وئل کے ایڈیٹر فلپ سولرز Philippe Sollers جو کہ ایک ادیب اور تھیورسٹ تھا اور اس کا فکری معاون تھا، سے شادی کی۔ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا، کرسٹیوا نے باختن کی کتابوں کو فرانسیسی زبان میں عام کرنے کی کوشش کی۔اس سلسلے میں ترودوف نے اس کی معاونت کی۔یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ باختن نے دوستوفسکی پر اچھا خاصا کام کیا تھا لیکن اسے فرانسیسی زبان میں پیش کرنے کا امتیاز کرسٹیوا کو ہی حاصل ہے۔

the old man and sea wolnes
The Samurai
Possessins
Murder In Byzantium

بین المتونیت (Intertoxtuality):

Intertextuality کی اصطلاح جولیا کرسٹیوا کی اصطلاح Dialogism کی توسیعی شکل ہے جس پر کرسٹیوا نے خاصا زور صرف کیا ہے۔اس اصطلاح کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی متن دوسری دنیا کے متن سے استفادہ

کرتا رہتا ہے اور اس میں مدغم بھی ہوتا ہے۔ Intestextuality کا لفظ اس نے لاطینی لفظ Ixtertexto سے وضع کیا، جس کا مطلب ہے "بنتے ہوئے باہم ملانا" To Intermingle while weaving اور اس سے جو اصطلاحی مفہوم اس نے نکالا، وہ اس نے سویئر کے لسانی فلسفے اور میخائل باختن کے مکالمیت (Dialogism) سے اخذ کیا۔

روسی نقاد میخائل باختن نے اپنی کتاب "دستوفسکی کی شعریات کے مسائل" ۱۹۲۹ء میں دو قسم کے متون "خودکلامیہ" (Monologic) اور "آزاد کلامیہ" (Diologic) کا ذکر اور ان میں فرق کیا تھا۔ اس کے مطابق وہ متن خودکلامیہ یا Monologic ہے، جس کے کردار فقط مصنف کے نجی اور محدود نقطہ نظر کی ترسیل پر مامور ہوتے ہیں۔ یعنی کرداروں کی اپنی جداگانہ شخصیت نہیں ہوتی، وہ مصنف کی ذہنی دنیا کا عکس ہوتے ہیں۔ ایسے متن میں مصنف دراصل خود کلامی کرتا ہے اور یہ متن واحد معنی کا حامل ہوتا ہے۔ جب کہ آزاد کلامیہ کا Diologic متن مصنف کے جبر اور اس کے نجی سوانحی حصار سے آزاد ہوتا ہے، اس لیے اس میں مختلف اور متنوع نقطہ ہائے نظر کے اظہار کی گنجائش ہوتی ہے، اس کے کرداروں کی اپنی آزادانہ حیثیت اور شخصیت ہوتی ہے۔ وہ اپنے زاویے سے سوچ سکتے ہیں اور اپنی رضا سے عمل کر سکتے ہیں۔ باختن نے دستوفسکی کے ناولوں کو "آزاد کلامیہ" اور ٹالسٹائی کے ناولوں کو "خودکلامیہ" قرار دیا ہے۔ اردو میں نذیر احمد کے بعض ناول خودکلامیہ اور قرۃ العین کے بیشتر ناول "آزاد کلامیہ" کہے جا سکتے ہیں۔ آزاد کلامیہ متن میں ظاہر ہونے والے ہر نقطہ نظر کو ایک متن قرار دیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ Diologism کے نظریے میں بین المتونیت کے ابتدائی خدوخال موجود تھے۔

سوسیئر کے لسانی فلسفے کے مطابق زبان نشانات پر مشتمل ہے اور یہ نشانات ایک دوسرے سے ہم رشتہ ہو کر زبان کا نظام تشکیل دیتے ہیں اور یوں زبان دراصل رشتوں کا ایک نظام ہے (یعنی الفاظ یا نشانات کا مجموعہ نہیں، زبان کے تمام عناصر ایک دوسرے سے مربوط اور ایک دوسرے پر منحصر ہیں، اور اسی ربط و انحصار سے معنی پیدا ہوتے ہیں۔ بین المتونیت بھی "رشتوں کے نظام" اور "متون کے ربط و انحصار" کا تصور رکھتی ہے۔ نیز وہ متن کو مصنف کے جبر سے آزاد سمجھتی اور ایک متن کو مختلف متون کی رزم گاہ خیال کرتی ہے۔ اس کے مطابق ایک متن میں متعدد دوسرے متون شامل اور کارفرما ہوتے ہیں۔ لہٰذا کوئی متن خودمختار رہتا ہے نہ اپنے آپ میں قائم ہونے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جولیا کرسٹیوا کے مطابق:

> "ہر متن حوالہ جات کے موزیک کے طور پر وجود میں آتا ہے.... ہر متن دوسرے متون کو جذب اور ان کی تغلیب کرتا ہے۔"

نیا متن، جن پرانے، سابق یا دوسرے متون کو بروئے کار لاتا اور ان کی قلب ماہیت کرتا ہے۔ وہ کئی قسم کے ہیں: ادبی، ثقافتی، لسانیاتی، روایاتی وغیرہ۔ جوناتھن کلر نے پانچ متون کی نشان دہی کی ہے۔ "سماجی متن" جسے حقیقی دنیا سمجھا جاتا ہے۔ "ثقافتی متن" وہ اجتماعی اور مشترکہ "علم" جسے ایک گروہ کے افراد مل کر تشکیل دیتے اور کام میں لاتے ہیں اور جو انھیں فطری لگتا ہے، صنفی ضابطوں اور کنونشنز سے مرتب ہونے والا متن؛ مصنوعی کی طرف قدرتی رویے سے عبارت

متن؛ ادبی متن، جس پر نیا متن استوار ہوتا ہے۔ بنا بریں بین المتونیت محض ادبی متون کی آمیزش کا تصور نہیں دیتی بلکہ ان تمام نشانیاتی، ثقافتی، علامتی، روایاتی، لسانی متون اور ذہنی وفکری رویوں کا مطالعہ بین المتونیت کرتی ہے جو کسی متن میں مضمر وفعال ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر اس کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگ بین المتونیت سے ادبی متون کا تقابلی مطالعہ مراد لیتے ہیں، جو ہرگز درست نہیں، اس لیے کہ کسی متن کی تشکیل میں جو دوسرے متون کام آئے ہیں وہ محض ادبی نہیں ہوتے، نیز ان کی تقلیب ہو جاتی یا وہ ڈی کنسٹرکٹ ہو جاتے ہیں۔ تقابلی مطالعہ تو اس وقت ممکن ہے جب متون اپنی وہ صورت قائم رکھ سکیں، کسی متن میں جذب ہونے سے پہلے جس کے وہ حامل ہوتے ہیں۔ بین المتونیت کا زور تین باتوں پر ہے: اوّل یہ کہ کوئی متن خود اپنے آپ میں قائم اور خود مکتفی نہیں، دوم یہ کہ متن میں دوسرے متون کے ٹکرانے سے معانی کی کثرت پیدا ہوتی ہے۔ سوم یہ کہ متن کی طرح قرأت اور مصنف بھی بین المتونی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرأت کئی حوالوں اور تناظرات کو بروئے کار لاتی ہے اور مصنف بقول رولاں بارت، ایک ایسا ظرف ہے جس میں مختلف 'تحریریں' باہم آمیز اور ٹکرا رہی ہوتی ہیں، گویا مصنف نہیں تحریریں فعال ہوتی ہیں۔

کرسٹیوا کے نظریات کی بنا ید Subjectinity پر ہے۔ ان کے خیال میں کسی متن کی ساختیاتی ساخت کی کامل تفہیم اس کے داخلی پہلوؤں کے مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔ کسی خاص ثقافتی معاشرے میں شعریات کا مطالعہ اس ثقافت کے تحت زندگی بسر کرنے والے افراد کے داخلی تجربے کی روشنی میں ہی ممکن ہے۔ محض خارجی ومعروضی مطالعہ جزوی تفہیم ہی منتقل کر سکتا ہے۔ ان کے لسانیات کے نظریے کا بنیادی عنصر Subject in Precess ہے جس کا مطلب ہے کہ لسانیاتی اشاروں (Signs) کے پس پردہ ہمیشہ ایک داخلی وموضوعی عمل بھی جاری وساری رہتا ہے۔ جس کو سمجھے بغیر ان لسانی اشاروں کو سمجھنا ممکن نہیں کیوں کہ جب تک اس امر کی کلی تفہیم نہ کر لی جائے کہ کوئی زبان لمحہ حاضر میں ایک مکمل ابلاغی نظام کے طور پر کیوں کر کام کر رہی ہے اور وہ کون سے قوانین وضوابط ہیں، جو برابر زبان میں کارفرما ہوئے ہیں اور جن کی عمل آرائی سے زبان اہم ترین وسیلۂ ابلاغ بنتی ہے بلکہ یہ ثقافتی حرکات سے بھی وابستہ ہوتی ہے۔ سوسیئر کی لسانیات کا مرکزی نکتہ زبان کے داخلی نظام اور زبان کے ایک مرکزی اصول کی دریافت تھا۔ کرسٹیوا کی کتاب (Revolution inpoetic Language) ۱۹۷۴ء میں بھی یہی بحث ملتی ہے۔ اس کتاب میں کرسٹیوا نے ملارمے کا نئی شعریات کی عقبی زمین میں مطالعہ کیا۔ اس کے تصورات کی بنیاد یہ ہے کہ شاعری کی زبان دوسمتوں سے متاثر ہوتی ہے۔ ایک علامتی اور دوسری (Semiotic) علامت کا کام بس اتنا ہے کہ زبان کو کسی حوالے کی زد میں کھڑا کر دیتی ہے جس کا تعلق ایک واضح نظام سے ہوتا ہے جس میں سماج اور ثقافت کا رول اہم ہوتا ہے۔ زبان کی Semiotic سمت یہ ہے کہ زبان کا استعمال کرنے والا اپنی جسمانی حرکت اور مادری زبان سے لازمی طور پر متاثر ہوتا ہے جس کی نشان دہی وہاب اشرفی صاحب نے اپنی کتاب "مابعد جدیدیت" کے صفحہ نمبر ۹۵ میں کی ہے کہ بچہ زبان سیکھنے سے پہلے غوں غاں کرتا ہے اور یہ غوں غاں اس سے متاثر ہے جسے ہم ماں کی زبان کہتے ہیں۔ کرسٹیوا اس بحث میں اسی نتیجے پر پہنچتی ہے کہ شاعری کی زبان مادرانہ ہے جو بچوں کے Riddle and

Babble, Doodle کی طرح ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاعری کی موسیقی بھی اسی پس منظر سے عبارت ہے۔

کرسٹیوا کی علامت کی بحث سے ذہن لاکاں کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کا ژونگ کے اجتماعی شعور کی طرف بھی لیکن وہ موضوع کو ایک ساخت کے طور پر دیکھتی ہے اس کے خیال میں Sexiotic دراصل Proedipal قوت ہے جو زبان سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ جن کا مفہوم نکالنا آسان نہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی مماثلت افلاطون کے تصور Chora سے لیکن کرسٹیوا کے ہاں یہ مادری سطح کی صورت ہے جس میں گمان کی وہ صورتیں بھی آتی ہیں جن کا مفہوم نکالنا آسان نہیں۔ کرسٹیوا Exotext اور Phenotext میں امتیاز کرتے ہوئے اوّل الذکر کو متن بنانے والی قوت بتاتی ہے اور آخر الذکر کو وہ لسانی ساخت کا درجہ دیتی ہے جو نتیجے کے طور پر سامنے آتی ہے۔ گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

> "ملارمے اور لاترے موں کی شاعری میں آوازوں کا یہ آہنگ اور زیر و بم لاشعور سے آزاد ہو جاتا ہے۔ (لاکاں کا کہنا ہے کو یہی لاشعور ہے) کرسٹیوا شاعری میں آوازوں کے استعمال کو ابتدائی جنسی محرکات سے جوڑتی ہے۔ ماما اور پاپا کے ناموں میں بھی غنائی م بی پ کے مقابلے میں ہے وہ کہتی ہے "م" کی آواز ماں کی دہنیت (orality) اور "پ" کی آواز باپ کی شہوانیت (orality) سے جڑتی ہوئی ہے۔ کرسٹیوا کا انقلاب کا تصور یہ ہے کہ سماجی ریڈیکل تبدیلی مقتدر ڈسکورس میں تخریب اور خلل اندازی کے عمل پر منحصر ہے۔ شعری زبان سماج کے ضابطہ بند اور مفید علامتی نظام میں نشاۃ نیاتی تخریب کاری کی آزادہ روی (کھلی ذاتی تنقید) کو راہ دیتی ہے۔ لاشعور جو چاہتا ہے شعری زبان اس کو سماج کے اندر اور سماج کے خلاف برتے سکنے پر قادر ہے۔ کرسٹیوا کو یقین ہے کہ سماجی نظام جب زیادہ ضابطہ بند، زیادہ پیچیدہ ہو جائے تو نئی شعری زبان کے ذریعے انقلاب لایا جا سکے گا۔ لیکن اس کو یہ بھی خدشہ ہے کہ بورژوا آئیڈیالوجی ہر نئی چیز وک اپنا کر اس کا ڈنک نکال دیتی ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ شعری انقلاب کو بھی بورژوا آئیڈیالوجی ایک سیفٹی والو کے طور پر استعمال کرے، ان دبے ہوئے ہیجانات کے اخراج کے لیے جن کی سماج میں بالعموم اجازت نہیں ہے۔" ( )

جولیا کرسٹیوا نے نفسیاتی پس منظر میں خواہش یعنی Dosire کی بلیغ کیفیتوں کا اظہار کیا ہے۔ اس کے نقطۂ نظر سے سماجی تشکیلات کی وہ صورتیں جن سے انسان متحد ہوتا ہے۔ انھیں اصل میں نحوی کیفیت رکھتی ہیں لیکن ایسا اتحاد "تخریبی" عناصر" سے برسرپیکار رہتا ہے۔ یہ عناصر ہر چند کہ تخریبی کہے جاتے ہیں لیکن عین فطری ہیں جن کے عوامل کو روکنا آسان نہیں۔ اس کی توضیح جولیا کرسٹیوا نے اس طرح کی ہے۔ ایک عنصر نشاط، دوسرا مزاح اور تیسرا شاعری۔ نشاط میں کئی چیزیں شامل ہیں مثلاً شراب، جنس، موسیقی وغیرہ۔ دوسرا پہلو ہے مزاح کا اور تیسری شق شاعری ہے۔ کرسٹیوا اپنے نام نہاد تخریبی شق کو Desire یا خواہش کا نام دیتی ہے، جس سے لازماً ہر شخص متاثر ہوتا ہے۔ گویا یہ نحوی سلسلے ہیں جن سے شعر و نغمہ نیز دوسرے انسانی عوامل کی توجیہہ کی جا سکتی ہے، لیکن آخری تجزیے میں وہ ان تمام امور کو مادرانہ نظام کے حوالے سے دیکھنے پر زور دیتی ہے، خصوصاً شاعری کے باب میں اس کا نفسیاتی لسانی جائزہ آخری مرحلے میں شدید نسائی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ( )

کتابیات:

۱۔ وہاب اشرفی، **مابعد جدیدیت (مضمرات و ممکنات)**، اسلام آباد: پورب اکادمی

۲۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، مرتبہ: **مابعد جدیدیت (نظری مباحث)**، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

۳۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، مرتبہ: **مابعد جدیدیت—اطلاقی جہات**، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

۴۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، **جدید اور مابعد جدید تنقید** (مغربی اور اردو تناظر میں)، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان

۵۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، **جدیدیت سے پس جدیدیت تک**، ملتان: کاروانِ ادب

۶۔ گوپی چند نارنگ، مرتبہ: **اردو مابعد جدیدیت پر مکالمہ**، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز

۷۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر، **لسانیات اور تنقید**، اسلام آباد: پورب اکادمی،

۸۔ گوپی چند نارنگ، **ساختیات پس ساختیاب اور مشرقی شعریات**،